Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005
ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com
dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Article

عصمت اللہ

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر میمونہ سبحانی

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

نوتاریخیت: ایک تعارف

Ismat ullah
PhD scholar, Government College University Faisalabad
Dr.Mamuna Subhani
Associate Professor Government College University Faisalabad

Neo-Historicism: An Introduction

Neo-Historiscim is one of the Post-modernism literary theory developed by Stephen Green Blott. Its roots in Michel Focuault and Louis Althusset's criticism. Neo-historicism infact explores those grand narratives in the literary texts that are existed in the external scenario of that specific period. This theory urges to read texts with its cultural, historical, political and social contexts. In Urdu literature Gopi Chand Narrang, Dr. Nasir Abbas Nayyar and Prof. Atiq Ullah have used this theory in their criticism. At global perspective, Edward Said, Franz Fenin and Shashi Thoror are notable names. Literature and history both are co-related as both derive their material from society and culture.

Key words: Grand Narrative, Blobal Perspective, External Scenario, Experts. Historicism

Received: Jan 08, 2026
Accepted: Feb 25, 2026
Published: Mar30, 2026

بیسویں صدی میں بہت سی ادبی و فکری تحریکوں اور رجحانات نے فروغ پایا۔ یونانی فلسفہ و تنقید سے شروعات ہونے کے بعد عالمی زبان وادب

میں بہت سے انقلاب انگیز افکار نے جنم لیا۔ کلاسیکی ورومانی ادب کے بعد ترقی پسند، مارکسیت، نومارکسیت، جدیدیت، ساختیاتی، پس ساختیاتی مطالعات نے عالمی ومقامی ادب کو متاثر کیا۔ نوتاریخیت بھی بیسویں صدی کی لسانی وادبی تحریک رد تشکیل کے رد عمل میں بین الاقوامی ادب میں متعارف ہوئی۔ متن کی خود کفالت، داخلی خودمختاری اور لفظ و معنی کی نت نئی تعبیرات نے بہت سی تحدیدات قائم کردی اور متن کی تفہیم کو اس کے خارجی منظرنامہ سے اجنبی کرنے کی سعی کی۔

نوتاریخیت کی ابتداء، تولوئی آلتھیو، کلفرڈ گیرٹز اور مشل فوکو کے نظریات سے ہوچکی تھی مگر نوتاریخیت کے باقاعدہ نام کے ساتھ اسے ۱۹۸۷ء میں اسٹیفن گرین بلاٹ نے اپنے ایک مضمون میں متعارف کروایا۔ سولہویں صدی کے ادبی متون کو ثقافتی و تہذیبی پس منظر میں قرأت کی۔ یہ مضمون Renaissance self fashioning کے نام سے شائع ہوا۔ اس مضمون میں گرین بلاٹ نے ولیم میور سے شیکسپیئر تک کے ادبی تحریروں کا جائزہ لیا۔ یہ مضمون متون کی قرأت کو دوبارہ سے اس کے سیاسی وثقافتی منظرنامہ سے جوڑ کر اسے ادب وتاریخ کی ہم رشتگی کا حامل بنادیتی ہے۔

پروفیسر عتیق اللہ کے یہ لفظ نوتاریخیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے واضح اور معاون ہیں۔

"نوتاریخیت قرأت کا ایک خاص طریقہ ہے جس کا اصرار متن کے نہایت غائر مطالعہ پر ہے۔ نوتاریخیت یہ بتاتی ہے کہ کسی بھی فن پارے کو کس طرح پڑھنا چاہیے اور دیگر متون جیسے معاشیات، طبّی دستاویزات اور قانونی کتابچوں وغیرہ کے علاوہ متنی سیاقات کی روشنی میں اس کی تفہیم کیسے کی جاسکتی ہے۔"(۱)

یعنی متن اب صرف لفظ و معنی کا کھیل نہیں بلکہ اپنے عہد کے ان تناظرات سے بھی جڑت رکھتا ہے جو اس کے پس منظر میں پوری طرح سے موجود ہوتے ہیں اور اس کی تخلیق کے عمل پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ کوئی متن سیاقات کے بنا تخلیق نہیں ہوتا اور نہ ہی خلاف میں لکھا جاسکتا ہے۔ تاریخ کی دبیز تہوں میں ادب سچ کی کھوج لگاتا ہے۔ ادب تاریخ سے مواد لیتا ہے اور تاریخ ادب کا اسلوب و زبان سے مستفید ہوتی ہے۔ کسی بھی عہد کے سیاسی و سماجی حالات اور تاریخ کا جبر طاقت ور کے بتائے ہوئے بیانیے اور کلامیے متون پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ نوتاریخیت ان بیانیوں کو بے نقاب کرکے تمام تناظرات کے ساتھ متن کی تفہیم کرتی ہے۔ ان منفرد طریقہ قرأت سے سماجیت، معاشرت، تہذیب وثقافت پوری تصویر کے ساتھ پس منظر میں موجود رہتے ہیں۔ قاری لفظوں کے پس منظر میں اس عہد کے ان تمام سیاسی وثقافتی طاقت کے مراکز کی نشاندہی کرسکتا ہے جنھوں نے اس عہد میں جبر کے ضابطے بنائے۔

فوکو کا نظریہ ڈسکورس ہی نوتاریخیت کو موثر نظریہ بناتا ہے۔ اس کے مطابق مقتدر طبقہ ہی طے کرتا ہے کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔ اس لیے فوکو کا یہ قول بھی اس ضمن میں اہم ہے کہ صرف سچ بولنا کافی نہیں بلکہ سچ کے اندر ہونا بھی ضروری ہے۔

اردو ادب میں نوتاریخیت کو ڈاکٹر ناصر عباس نیر، گوپی چند نارنگ، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر حمیرا اسلم نے متعارف کروایا اور تنقید میں برتا ہے۔ تاہم بین الاقوامی منظرنامے میں ایڈورڈ سعید کا نام قابل ذکر ہے جنھوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "شرق شناسی" میں انگریزی متون کو ی نوتاریخیت کے تحت تفہیم کی ہے۔

ایڈورڈ سعید ان طاقت ور بیانیوں اور ان کے پس منظر میں چھپے مغربی استعمار اور نوآبادکاروں کے ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا ہے جو مشرق پر اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے اپناتے رہے۔ انہوں نے ان کلامیوں کو متشکل کرنے میں آرتھر ممیز بلغور، ایم ایچ ابرام، لارڈ کرومر اور انگریزی ادیبوں کے متون کا ثقافتی ولسانی اور تہذیبی وسیاسی پس منظر میں تشریح وتفہیم کی ہے۔ مشرق ہمیشہ مغرب کے ذہن وفکر کے مطابق متعارف ہوتا رہا ہے۔ ایڈورڈ کے

بعد الجزائر پر قابض فرانسیسی نوآباد کاروں کے سامراجی و غلامانہ نظام کے خلاف فرانز فینن نے "افتادگانِ خاک" اور "سامراج کی موت" جیسی کتب لکھیں۔ مقامی لوگوں کو ان کی ثقافت و تاریخ سے محروم کر دینے کے بعد کس طرح مقامی لوگوں کو بے شناخت کرنے کی کوشش کی گئی۔

ہومی کے بھابھانے بھی دہری شناخت کے المیے کو اجاگر کیا ہے۔ مقامی لوگوں کو ان کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ و ادب کی کمتری کا احساس دلا کر مستقل احساس محرومی میں مبتلا کر دیا جاتا۔ ششی تھرور کی The Era of Darkness بھی نوآباد کاروں کے سامراجی نظام اور اس کے تناظرات کا مطالعہ پیش کرتی ہے۔

پاکستان میں گوپی چند نارنگ نے نوتاریخیت کو اپنی تنقید میں برتا ہے۔ وہ نوتاریخیت کو زبان و ثقافت کی ہم رشتگی کا نام دیتے ہیں۔

"ہر زبان کی ساخت اس کی اپنی ثقافت کی رو سے قائم ہوتی ہے۔ یہ نکتہ تاریخیت کے گہرے سچ کا حامل ہے۔ کیوں جس طرح زبان نظام نشانات ہے۔ اس طرح ادب بھی نظام نشانات ہے۔ جیسے زبان ثقافت کی متعین کردہ ہے۔ ادب بھی ثقافت کا متعین کردہ ہے اور ثقافت تاریخ کا محور اور تاریخ کے اندر ہے۔ گویا ثقافت کا کوئی تصور تاریخ سے ہٹ کر ممکن نہیں پس ادب کا بھی کوئی تصور تاریخ سے ہٹ کر ممکن نہیں۔"(۲)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے بھی نوتاریخیت کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔ وہ نوتاریخیت کی جڑیں یونانی ادب و تنقید میں کھوجتے ہوئے عہد جدید تک آتے ہیں۔ وہ ادب و تاریخ کو باہم مربوط خیال کرتے ہیں۔ وہ تاریخ کو متن قرار دیتے ہیں اور یوں تاریخ کو ادب کا اہم مواد و ماخذ بنا دیتے ہیں۔

"تاریخ ایک متن ہے اور جدید فکر کے مطابق کوئی متن خود مکتفی اور محض اپنی ذات میں قائم نہیں ہوتا بلکہ ہر متن کا ایک غیر ہے جس کے تحت وہ قائم ہوتا اور معنی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے تاریخ کا متن بھی ایک غیر ہے۔ جس کے اندر اور تحت تاریخ قائم ہوتی ہے۔"(۳)

نوتاریخیت تاریخیت کی جدید شکل ہے۔ تاریخیت دراصل کسی بھی متن کی تخلیق میں سیاسی و معاشی اور تہذیبی صورت حال کو بیان کرتی ہے۔ جب مصنف کسی بھی زمانے میں کوئی فن پارہ تخلیق کرتا ہے تو اس کے خارجی منظر نامے میں مختلف عوامل اس کی تخلیقی استعداد اور فکر و اسلوب کو متاثر کرتے ہیں۔ تاریخیت ان عوامل کی نشاندہی کرتی ہے۔

جب کہ نوتاریخیت ان عوامل کے پس پردہ ان طاقت ور بیانیوں کی موجودگی اور تشکیل کو سامنے لاتی ہے جو اس عہد کے مقتدر طبقے اپنے مفادات اور طاقت کے استحکام کے لیے بناتے رہے اور خواص کے یہ بیانیے عوام میں کس طرح مقبول اور رائے عامہ کی صورت اختیار کرتے رہے۔ گویا نوتاریخیت تاریخیت سے زیادہ پیچیدہ اور باریک بین نظریہ ہے جو تناظرات کے فہم کو لازمی سمجھتا ہے اور پس منظری مطالعہ میں نفسیاتی و فکری تجسس کا مادہ بھی رکھتا ہے۔

اردو ادب میں نوتاریخیت کو ہر رجحان اور اسلوب میں برتا گیا ہے۔ نظم و نثر اور خاص طور پر ناول نگاری میں نوتاریخیت کے نظریئے کے تحت برصغیر پاک و ہند اور تقسیم کے بعد کے ادبی متون میں ان بیانیوں کی نشاندہی ہوتی ہے جو اس خطے کے مقتدر طبقے نے تشکیل دیئے اور اپنی طاقت و جبر کو برقرار رکھا۔ نوآبادیاتی دور کے بعد مارشلائی جبر اور سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ اور مذہبی و سیاسی مصلحین نے طاقت کا کھیل کھیلا اور اس سچ کو رائے عامہ بنا دیا گیا جو دراصل سچ نہیں تھا۔

نوتاریخیت ادبی متون میں اس سچ کی تلاش کرتی ہے جو پس منظر نامے میں موجود ہوتے ہیں۔ پاکستانی اردو ناول میں ڈپٹی نذیر احمد سے لیکر عہد موجود کے جدید ناول نگاروں کے ناولوں میں ایسے بیانیوں اور مہابیانیوں کو تشکیل دینے والے عناصر کو پیش کیا گیا ہے جو تہذیب و ثقافت پر حاوی ہو کر طاقت کے مراکز کو مضبوط کرتے ہیں اور جبر کا یہ کھیل ہمیشہ ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

نوتاریخیت مابعد جدیدیت کا ایک اہم ادبی نظریہ ہے جو دریدا کے رد تشکیل کے رد عمل میں پیش کیا گیا۔ متن کو صرف مصنف اور معنی تک محدود کرنے کی بجائے پورے سماج اور اس میں موجود ثقافت و تاریخ کے عوامل و عناصر کی نشاندہی کرتا ہے۔ معنی کی وحدت کی بجائے کثرت کا قائل ہے اور معنی کی تشکیل میں ان بیانیوں کو سامنے لاتا ہے جو اس وقت کے طاقت کے مراکز بناتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عتیق اللہ، پروفیسر، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت، مرتبہ: ڈاکٹر ندیم احمد، دہلی، ص ۸۰

۲۔ گوپی چند نارنگ، جدیدیت کے بعد نئی دہلی: پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۲

۳۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، جدید و مابعد جدید تنقید کراچی: پاکستان انجمن ترقی اردو، ص ۲۵۶